جنگ آزادی میں علماء اور عوام کا کردار

حسب الحکم

عالیجناب حافظ پیر شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم

(صدر جمعیۃ علماء آندھرا پردیش، وایم ایل سی)

شعبہ نشر واشاعت جمعیۃ علماء آندھرا پردیش

پہلی منزل، زم زم مسجد، باغ عنبر پیٹ، حیدرآباد۔۵۰۰۰۱۳ (اے۔پی)

فون نمبر: 040-2740616، موبائیل9848064987

بسمہ تعالیٰ

سولہویں صدی میں انگریز تجارت کے بہانے سے ہندوستان آیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی پھر آہستہ آہستہ اپنی شاطرانہ چال سے ہندوستان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا شروع کیا۔ بالآخر ایک دور آیا جب انگریز پورے ملک پر قابض ہوگیا۔ اب اس نے ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں پر ظلم وستم کرنا شروع کردیا۔ مذہبی عبادتگاہوں، مدرسوں، خانقاہوں اور مسجدوں کو تہس نہس کرنا شروع کیا۔ تو اس وقت علماء کرام اور غیور مسلم حکمرانوں نے انگریزوں کے خلاف محاذ کھولا اور اپنے حق کیلئے لڑنے لگے۔ چوں کہ انگریزوں نے ملک اور حکومت مسلمانوں سے چھینا تھا اس لئے تکلیف اور پریشانی مسلمانوں کو تھی اور انگریز بھی مسلمانوں سے ہی خطرہ محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمان اپنے دین کی حفاظت اور ملک کی حصولیابی کیلئے برسرپیکار ہوگئے۔

1757ء میں بنگال کے نواب سراج الدولہ گذشتہ جنگوں میں انگریزوں کو شکست فاش دے چکے تھے لیکن تیسری جنگ میں پلاسی کے مقام پر اپنوں کے درپردہ سازشوں کی وجہ سے انگریزوں سے شکست کھاگئے۔

ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کیلئے اُن سے مقابلہ کرنے والے آخری مضبوط چٹان ، دیوار آہنی ٹیپو سلطان یہ صدا لگاتے ہوئے شہید ہوگئے کہ شیر کے ایک دن کی زندگی گیڈر کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے۔

انگریزوں کے اس اعلان کے بعد کہ مخلوق خدا کی ، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی کا۔ علماء میدان کارزار میں آئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتویٰ دیا کہ اب ہندوستان دارالحرب ہوچکا ہے کیوں کہ یہاں انگریزوں کی حکومت قائم ہوچکی ہے۔ یہی فتویٰ جنگ آزادی کا نقطۂ آغاز ہے۔

1816ء میں دہلی میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئی پیش پیش تھے، جس میں باہم مشورے کے ذریعہ عقائد صحیحہ کی ترویج اور معاشرہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے خلاف آزادی وطن کیلئے جدوجہد تیز کردی۔

1857ء وہ سال ہے جسے انگریز غدر کا سال کہتے ہیں اور ہندوستانی قوم اس سال کو جنگ آزادی کا سال کہتی ہے۔ 1857ء میں پورے ملک میں انگریزوں کا تسلط قائم ہوچکا تھا۔ بادشاہت صرف لال قلعہ تک محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ ہندوؤں اور خصوصاً مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کی جارہی تھی۔ کارتوسوں پر سوّر اور گائے کی چربی لگانا اور ہندوستانی نژاد سپاہیوں پر زبردستی کرکے دانتوں سے کارتوسوں کو کھینچوانا اور اس جیسے دیگر مظالم کی وجہ سے علماء کرام نے قریہ قریہ پہونچ کر لوگوں میں انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی کی روح پیدا کی، دیکھتے دیکھتے پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی چنگاریاں اُٹھنے لگیں۔ اور ملک کے کئی حصوں میں انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا اور دہلی کے اطراف میں ہزاروں انگریزوں کو

گولیوں سے بھون دیا۔ اس کے دو ماہ کے بعد انگریزوں نے انتقاماً انقلابی فوج پر زبردست حملہ کر دیا اور ہزاروں جانبازوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔

ایک ہندو مؤرخ رام گپت کے اندازے کے مطابق 1857ء میں 50 ہزار سے زائد علماء اور 5 لاکھ سے زائد مسلمانوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ دہلی کے اطراف و جوانب میں جتنے شہر واقع ہیں تقریباً تمام شہروں میں انگریزوں کے خلاف بغاوت ہوئی جسکے اصل محرک علماء کرام تھے۔ شاملی میں انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کے ایک جتھہ کی قیادت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی، بانی دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمائی۔

جنگ آزادی کے محاذ کو مستحکم کرنے کیلئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دیوبندی نے تحریک ریشمی رومال کی بنیاد ڈالی اور ملک کی آزادی کیلئے کوشش کرتے رہے۔ اسی دوران شیخ الہندؒ نے مولانا عبید اللہ سندھی اور انکے رفقاء کو کابل روانہ فرمایا جہاں انہوں نے ہندوستان کی جلاوطن حکومت قائم کی۔ جس کے صدر مہارانا پرتاپ سنگھ اور وزیر مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا برکت اللہ بھوپالی بنائے گئے۔ (یہ ہمارے اکابر کے سیکولرزم کی جیتی جاگتی مثال ہے۔)

ہندوستان کی تحریک آزادی میں جمعیۃ علماء ہند کی خدمات اور کارنامے ملک عزیز کی تاریخ کا وہ روشن باب ہے جسے اس ملک کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ وطن عزیز کی خاطر علماء کرام نے جس بے خوفی و بے باکی اور بہادری کے ساتھ اپنی جدوجہد کا سلسلہ جاری رکھا سرزمین ہند میں کسی تحریک کی طرف سے ایسی منظم مثال پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ اسی سلسلے میں 23 نومبر 1919ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں ملک کے ہر طبقہ کی نمائندگی تھی۔ جمعیۃ علما ہند کا قیام اس حال میں ہوا کہ اہل ہند کے روحانی پیشوا جنگ آزادی کے رئیس المجاہدین شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور آپ کے شاگرد رشید، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مالٹا کی جیل میں تھے۔ 12 مارچ 1920ء بروز جمعہ حضرت شیخ الہند اپنے رفقاء کے ساتھ مالٹا کی جیل سے رہا ہوئے۔

جب شیخ الہندؒ اپنے رفقاء کے ساتھ مالٹا سے رہائی پا کر ممبئی کے ساحل پر پہونچے تو ہزارہا افراد نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں مہاتما گاندھی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی سمیت بڑے بڑے قائدین شامل تھے۔ اسی موقع پر کرم چند موہن داس کو گاندھی جی کا لقب دیا گیا۔

انگریزوں کے ظلم وستم خصوصاً جلیانوالا باغ کے قتل عام کی وجہ سے برادرانِ وطن اور خاص کر مسلمان غم وغصہ اور کرب و اضطراب میں مبتلا تھے۔ شیخ الہندؒ کی تشریف آوری نے اس تحریک کو جلا بخشی اور اب مسلمانوں کا قدم سب سے تیز تھا۔ ہر ایک شخص تحریک آزادی کا متوالا اور اپنی جان کی قربانی کیلئے آمادہ تھا۔ شیخ الہندؒ کی برکت تھی کہ پورے ملک میں آپ کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند کے قائدین ہی مسلمہ قائد تسلیم

کئے گئے۔اس وجہ سے مہاتما گاندھی اعتراف کیا کرتے تھے کہ میں مولانا محمود حسنؒ کی جھولی کا ایک مہرہ ہوں۔

الغرض تاریخ آزادی ہند علماء اور مسلمانوں کے ساتھ اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ اگر اس تاریخ کو علماء اور مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے تو اس تاریخ میں کوئی روشنی باقی نہیں رہ جاتی اس تحریک کو طاقت وقوت علماء اور مسلمانوں سے ہی ملی۔

یہ تاریخی حقائق ہیں کہ ہندوستان کو انگریزوں نے مسلمانوں سے چھینا تھا مسلمان حاکم تھے۔جنگ مسلمانوں سے ہوئی تھی، دہلی ہو یا بالاکوٹ، شاملی ہو یا میرٹھ، پانی پت ہو یا میسور جہاں بھی انگریزوں سے برسرپیکار تھے وہ علماء اور مسلمان ہی تھے۔

روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ علماء کرام اور مسلمانوں کی ساری جدوجہد اس لئے تھی کہ انگریزوں کے قدم ہندوستان سے اُکھڑ جائیں، چھوڑ کر بھاگ جائیں۔الحمدللہ اس میں اللہ تعالیٰ نے انکی بے لوث قربانیوں کے نتیجہ میں ملک کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلایا۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی علماء کرام کی رہین منت ہے۔اور انہی علماء کرام کی قائم کردہ جمعیۃ علماء ہند ہی ملک کی واحد جماعت تھی جس نے آزادی کے بعد تقسیم ملک کے موقع پر ملک کے بٹوارے کی شدت سے مخالفت کی تھی۔

علماء کرام کی دوراندیشی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے جن دو اہم مقاصد (۱) ملک کو آزاد کرانا (۲) دین اِسلام کی تبلیغ واشاعت کیلئے ملک کے کونے کونے میں مدارس ومکاتب اسلامیہ کا قائم کرنا۔الحمدللہ اس میں مکمل طور پر کامیاب رہے۔آج انہی کی کوششوں کی وجہ سے پورے ملک اور برصغیر میں مدارس اِسلامیہ کا جال پھیلا ہوا ہے اور جگہ جگہ پر علماء دینی خدمت انجام دے رہے ہیں اور الحمدللہ آج علماء کرام کی کمی نہیں ہر جگہ کم و بیش دستیاب ہیں اور دین اسلام اور قرآن کو سیکھنے اور سکھانے میں لگے ہوئے ہیں۔

آج عوام کے اندر جو تھوڑا بہت دینی شعور دکھائی دے رہا ہے وہ انہی مدارس کی دین اور مرہونِ منت ہے۔ان مدارس میں امن وشانتی اور ملک سے محبت کی تعلیم دی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کوئی ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ مدرسوں کے طلباء یا اساتذہ نے کبھی سرکاری جائیدادوں کو نقصان پہونچایا یا ہوا احتجاج اور دھرنا منظم کیا ہو۔پھر بھی انہی مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیا جا رہا ہے جو سراسر نااِنصافی اور ظلم ہے۔اگر ہمارے اکابرین نے ہندوستان میں یہ مدارس قائم نہ کئے ہوتے تو آج ہندوستان کا بھی وہی حال ہوتا جو اس وقت بخارا اور سمرقند کا بنا ہوا ہے کہ اسلامی عمارتیں اور ڈھانچے تو موجود ہیں لیکن اسلامی روح برقرار نہیں ہے۔یہ اللہ کا بہت بڑا فضل اور اس کا کرم ہے کہ ان مخلص علماء کرام کی قربانیوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کو دین کا مرکز اور فروغ اسلام کا ذریعہ بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں علماء کرام کی قدر، مدارس اسلامیہ کی عظمت اور دینی تنظیموں سے وابستگی کی توفیق عطا فرمائے۔۔آمین